OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

حقوقِ نسواں کی بین الاقوامی تحریکیں اور اسلامی خاندانی ساخت: سیرتِ محمدی ﷺ کی روشنی میں جائزہ

International Feminist Movements and the Islamic Family Structure: An Analytical Study in the Light of the Prophetic Seerah ﷺ

Kalsoom Alam Zaib
Research Scholar, Islamic studies Department, Al-Hamd Islamic University Quetta.
Email: kalsoom.alamzaib@gmail.com

Dr. Sajjad Ahmed
Assistant Professor, Assistant Professor, College Education Department, Govt. of Sindh.
Email: sajjadamsc@gmail.com

Received on: 07-01-2025 Accepted on: 12-02-2025

Abstract

This article provides an overview of the feminist movement, covering its origins, motivations, theories, and impact. It also examines women's rights organizations at the international and national levels and their role in shaping modern discourse on women's rights, particularly how these movements influence Islamic family values. The article analyzes the impact of the Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination against Women (CEDAW) on the family system, particularly in the context of Islamic law. It explores the historical evolution of family structures, the essential components of a stable family. It presents a critical review of the CEDAW treaty. It explores its historical background, objectives, and objections raised by Muslim countries and Islamic scholars. The study further provides a comparative analysis of CEDAW from the perspective of Islamic jurisprudence, highlighting the conflicting areas between international conventions and Islamic family law. This research adopts an analytical and research-based approach, offering a critical and investigative review of the CEDAW treaty by assessing how its provisions impact the Islamic family system. The study aims to highlight the challenges faced by Muslim societies in balancing modern feminist narratives with Islamic principles while proposing a solution-oriented framework that safeguards both family integrity and women's legitimate rights.

Keywords: Islamic Family System, CEDAW, Women's Rights in Balochistan, Feminist Movements

اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو دو مختلف صنفوں یعنی مرد و عورت کی صورت میں تخلیق فرمایا ہے۔ نسل انسانی کی افزائش اور ترقی کے لیے انسانیت کا دار مداران دو کے باہمی تعلق اور رشتہ پر استوار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا کرشمہ ہے کہ خاندان بطور ادارہ کے قیام میں مرد اور عورت کو برابر کا شریک بنایا گیا ہے۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشرے اور سوسائٹی کی بنیادی اکائی خاندان ہے اور خاندانی استحکام سے ہی صحت مند معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے، مزید ازاں قوم، ملک اور ملت کے استحکام و ترقی کی بنیادی جڑیں خاندانی نظام کی مضبوطی پر استوار

ہوتی ہیں۔ خاندان کی بقاء وتحفظ کا ضامن رشتہ ازدواج ہے۔ دینِ اسلام میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پانچ بنیادی مقاصدِ شریعت میں سے ایک اہم مقصد "تحفظ نسل" قرار پایا ہے۔ قرآن مجید میں احکام کی آیات میں سے جتنی تفصیلی احکام اسلام کے عائلی نظام اور خاندان کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں، شائد ہی زندگی کے کسی دوسرے شعبے کے بارے میں اتنی تفصیل موجود ہو! خاندان کے بنیادی عناصر میں دو صنفیں شامل ہیں یعنی مرد اور عورت۔ دو ستون پر خاندان کی عمارت قائم کی گئی ہے اور دونوں کی اپنی اپنی اہمیت اور مقام و مرتبہ بیان کر دیا گیا ہے۔ بطور صنف اور جنس کے مرد اور عورت کے انسانی حقوق مساوی اور برابر قرار دیے گئے ہیں۔ درج ذیل میں خاندان کا مفہوم پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد بین الاقوامی معاہدات اور ان کا جائزہ۔

خاندان کی لغوی اور اصطلاحی مفہوم

خاندان کا لغوی مفہوم

خاندان اردو زبان کا لفظ ہے، جو فارسی سے ماخوذ ہے۔ اس کے لغوی معنی گھرانا، گروہ، اور نسل کے ہیں۔[1] انگریزی میں اس کے لیے "Family" اور فارسی میں "خانوادہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ الفاظ کنبہ، قبیلہ، یا برادری کے مفہوم میں آتے ہیں۔

عربی زبان میں خاندان کے لیے مستعمل الفاظ

عربی زبان کا دامن لغت کے اعتبار سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ خاندان کے مفہوم کے لیے متعدد الفاظ مستعمل ہیں لیکن دینی نصوص میں عمومی طور پر "الأسرة"، "العائلة" اور "الأهل" جیسے الفاظ مستعمل ہیں۔ ان الفاظ کے لغوی معانی اور تحقیقی توضیح درج ذیل ہے:

1. الاُسرۃ

الاُسرۃ کا مطلب قبیلہ، خاندان، یا وہ گروہ ہے جس سے انسان تعلق رکھتا ہے اور جس کے ذریعے وہ قوت وحمایت حاصل کرتا ہے۔ عربی زبان میں "الأسرة" کا لفظ بنیادی طور پر "أسر" سے ماخوذ ہے، جس کے مختلف لغوی معانی ابن منظور افریقی اپنی مشہور لغت لسان العرب میں لکھتے ہیں:

"أسرَ أسرًا، فهو أسيرٌ وأسرٌ وأَسِيرَةٌ، يُقالُ: أَسَرَهُ يَأْسِرُهُ أَسْرًا، إذا قَيَّدَهُ وحَبَسَهُ."[2]

"اُسر" کا مطلب ہے قید کرنا، پکڑنا یا کسی کو پابند کرنا۔ یہ لفظ مختلف سیاق و سباق میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے اسیر (قیدی)، اسار (بندھن)، اور اسیرۃ (قید یا پابندی)۔"

الموسوعۃ الفقہیۃ میں الاُسرۃ کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

"أَسِيرَةُ الإِنْسَانِ: عَشِيرَتُهُ وَرَهْطُهُ ٱلْأَدْنَوْنَ، مَأْخُوذٌ مِنْ أَسَرَ، وَهُوَ ٱلْقُوَّةُ، سُمُّوا بِذَلِكَ لِأَنَّهُ يَتَقَوَّى بِهِمْ، وَالْأُسْرَةُ: عَشِيرَةُ الرَّجُلِ وَأَهْلُ بَيْتِهِ."[3]

"انسان کی اسرت (خاندان) اس کے قریبی رشتہ داروں اور قبیلے کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ "اُسر" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی قوت کے ہیں۔

اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ انسان اپنے خاندان کے ذریعے قوت وطاقت حاصل کرتا ہے۔اور "الأسرة" کا مطلب کسی شخص کا قبیلہ اور گھر والے ہوتے ہیں۔"

یہ تعریف ظاہر کرتی ہے کہ خاندان کے لیے الأسرۃ کا لفظ اس کے بنیادی مفہوم یعنی قوت، تحفظ، اور اتحاد کے معانی پر مبنی ہے۔

2. العائلة

عربی زبان میں خاندان کے لیے دوسرا مستعمل لفظ "العائلة" ہے، جو "عال – يعول" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں "کفالت کرنا" یا "سہارا دینا"۔ چنانچہ العائلۃ ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو کسی شخص کے زیر کفالت ہوتے ہیں، جیسے اس کی بیوی، بچے، اور دیگر قریبی رشتہ دار۔

معجم لغة الفقهاء میں العائلۃ کی لغوی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"مَنْ يَعُولُهُمُ الشَّخْصُ، مَنْ يَضُمُّهُمْ بَيْتُ الرَّجُلِ وَيُنْفِقُ عَلَيْهِمْ، مِنْ زَوْجَةٍ وَأَقَارِبَ."[4]

"وہ افراد جن کی کفالت ایک شخص کرتا ہے، یعنی وہ لوگ جو کسی مرد کے گھر میں رہتے ہیں اور وہ ان پر خرچ کرتا ہے، جیسے اس کی بیوی اور قریبی رشتہ دار۔"

3. الأهل

عربی میں "الأهل" بھی خاندان کے لیے مستعمل ہے۔ دینی نصوص میں خاندان کے لئے جو لفظ سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے وہ لفظ اھل ہے۔ اہل کا لفظ بعموم اضافت کے ساتھ استعمال ہے اور مضاف الیہ اکثر و بیشتر ضمیر ہوتا ہے۔[5]

خاندانِ نوح علیہ السلام کے بارے مس ارشاد ربانی ہے:

"قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ." (ھود: ٤٦)

"(اللہ نے فرمایا:) اے نوح! وہ تمہارے اہل (خاندان) میں سے نہیں، وہ تو ایک برا عمل ہے۔"

ازواجِ مطہرات (امہات المؤمنین) کے لیے قرآن مجید میں "اہل بیت" کا لفظ مستعمل ہوا ہے:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا." (الأحزاب: ٣٣)

"اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی کے) اہلِ بیت! تم سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔"

حضرت لوط علیہ السلام کو اپنے خاندان کے حوالے سے حکم ربانی ان الفاظ میں دیا گیا:

" فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ ٱلَّيْلِ." (الحجر: ٦٥)

"اس اپنے اہل (خاندان) کو رات کے ایک حصے میں لے کر نکل جاؤ۔"

درج بالا تحقیقِ لغوی کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان میں خاندان کے لیے تین الفاظ مستعمل ہوتے ہیں: الأسرۃ، العائلۃ، اور الأھل۔ الأسرۃ بنیادی طور پر خاندان کے قریبی افراد پر مشتمل ہوتی ہے، اور اس میں تحفظ، حمایت، اور مضبوط تعلقات کی معنی پائی جاتی ہے۔ العائلۃ ان

افراد کے لیے استعمال ہوتی ہے جو کسی کے زیر کفالت ہو، یعنی وہ جن کا نان نفقہ ذمے ہو جبکہ اہل کا مفہوم سب سے زیادہ وسیع ہے، جو خاندان، قبیلے، اور حتیٰ کہ پوری قوم تک کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ سے قرآن مجید میں خاندان کے لیے سب سے زیادہ "أھل" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اردو زبان میں ''خاندان'' کا لفظ مستعمل ہے، جو فارسی زبان سے ماخوذ ہے۔ فارسی زبان ''خانوادہ'' خاندان کے لیے آتا ہے، جو قبائلی گروہ اور ایک ہی نسل کے افراد کے لیے بولا جاتا ہے۔

خاندان کی اصطلاحی مفہوم

انسانی تمدن اور معاشرتی زندگی کی بنیادی اکائی خاندان ہے، جو مرد اور عورت کے باہمی رفاقت اور نکاح کے تعلق سے وجود میں آتا ہے۔ انسانی معاشرت کی رونق، نسلِ آدم کی بقا، اور تمدنِ انسانی کی بنیاد اسی رفاقت پر قائم ہے۔ یہی چھوٹا سا سماجی ادارہ آگے چل کر انسانی اجتماعیت اور تمدنی ڈھانچے کی پہلی اینٹ ثابت ہوتا ہے۔ تاہم، اس باہمی تعلق کے کچھ اصول وضوابط ہیں، جو خاندان کے قیام، اس کے نظم ونسق، اور اس کے تحت مرد وعورت کے حقوق وفرائض کو متعین کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ملاپ کس طرح ہو؟ اس کے ضابطے کیا ہوں؟ اس تعلق سے دونوں پر کیا حقوق وفرائض عائد ہوتے ہیں؟ اور اس سے کیا نتائج مطلوب ہیں؟ ان ضابطوں اور اصولوں کا مجموعہ "خاندانی نظام" کہلاتا ہے۔

سماجی علوم میں خاندان کو ایک سماجی ادارہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو انسانی معاشرت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

سوشل سائنسز کی ڈکشنری میں خاندان کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''انسانی خاندان ایک ایسا سماجی ادارہ ہے جو کم از کم دو افراد سے مل کر تشکیل پاتا ہے (جن کا آپس میں خونی رشتہ نہ ہو اور دونوں مخالف صنف سے تعلق رکھتے ہوں اور آپس میں شادی کریں)۔ یہ کم از کم دو بالغ افراد اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔''[6]

حیاتیات (Biology) میں بھی خاندان کو ایک مخصوص اصول کے تحت بیان کیا گیا ہے:

"خاندان ایک جیسے نسبی مادوں (Genetic Materials) کا مجموعہ ہے، جو اپنے اصل نسبی مادہ سے مشابہ ہوتا ہے اور عام طور پر ایک جیسے کیمیائی افعال انجام دیتا ہے۔"[7]

یہ تعریف خاندانی وحدت کو حیاتیاتی اصولوں کے تحت بیان کرتی ہے، جہاں نسل در نسل ایک جیسے جینیاتی خواص منتقل ہوتے ہیں، جو خاندان کے افراد میں مشابہت پیدا کرتے ہیں۔

علم عمرانیات میں خاندان کو ایک معاشرتی تنظیم (Social Institution) کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، جس کی بنیادی خصوصیت پائیدار رشتہ اور خونی تعلق ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی نے اپنی کتاب میں چند نامور ماہر عمرانیات کی تعریفات کو ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معروف ماہر عمرانیات میگن ایف نمکوف (Megan F. Nimkoff) اپنی کتاب Marriage and Family میں خاندان کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ خاندان میاں، بیوی اور اولاد پر مشتمل ایک ایسا باہمی ربط ہے، جو نسبتاً پائیدار رہتا ہے۔ سماجی ماہرین

سمنر (Sumner) اور کیلر (Keller) کے مطابق خاندان کی نوعیت کچھ اس طرح ہے کہ خاندان ایک مختصر معاشرتی تنظیم ہے، جس میں کم از کم دو نسلیں شامل ہوتی ہیں، اور اس کا امتیاز یہ ہے کہ یہ خونی رشتے کی تنظیم پر مبنی ہوتا ہے۔[8]

مسلمان اہل علم کی آراء

مسلمان سماج میں خاندان کی بنیادی اہمیت اور وسیع گہرے اثرات کی وجہ پر خاندان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ہم یہاں چند نامور اہل علم کی آراء پیش کریں گے۔ بیسویں صدی کے نامور اہل علم ودانش ور مولانا ابوالاعلی مودودیؒ فرماتے ہیں:

''انسانی تمدن کی بنیاد خاندان پر ہے، اور خاندان کی بنیاد نکاح پر ہے۔ اسلام کا تصورِ خاندان محض صنفی تعلقات پر مبنی نہیں، بلکہ یہ ذمہ داریوں اور حقوق کے ایک منظم اور مضبوط نظام پر استوار ہے، جہاں مرد خاندان کا قوام ہے اور عورت اس کا قلب و مرکز ہے۔''[9]

مولانا صدر الدین اصلاحی خاندان کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''انسانی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے۔ انہی دو انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا کنبہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ اس کنبے کو انسان کا عائلی نظام کہتے ہیں، اور اس کے لیے جو ضابطے استعمال ہوتے ہیں، انہیں عائلی نظام کہا جاتا ہے۔''[10]

مندرجہ بالا اصطلاحی تعریفات سے بات واضح ہوتی ہے کہ خاندان نہ صرف ایک فطری اور حیاتیاتی اکائی ہے، بلکہ یہ ایک سماجی اور قانونی ادارہ بھی ہے جو انسانی تمدن اور معاشرت کی بنیاد ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق خاندان کی تشکیل نکاح کے ذریعے ہوتی ہے اور اس میں حقوق و فرائض کا ایک جامع نظام موجود ہے، جو خاندان کو ایک منظم اور مستحکم ادارہ بناتا ہے۔

خاندان کا آغاز وارتقاء

خاندانی نظام کے آغاز کے بارے میں مشہور تو پر دو نظریات ہیں لیکن اس کے علاوہ کچھ اہل علم کی آراء مختلف بھی موجود ہیں۔

1۔ **پہلا نظریہ**: خاندانی نظام کی ابتداء تب ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تخلیق فرمایا۔ اور آدم کی تنہائی کو دور کرنے کے لیے صنف نازک کو وجود بخشا گیا۔ حضرت حوا کی پیدائش سے زوج مکمل ہوا اور اس طرح کائنات میں موجود تمام انسانی رشتوں کا آغاز ہوا یہ کائنات کا پہلا انسانی جوڑا تھا۔ دینی ومذہبی روایات وکتب میں وعمومی طور پر خاندان کے آغاز کے حوالے سے یہ نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يا ايها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحده وخلق منها زوجها وبث من هم رجالا كثيرا ونساء واتقوا الله الذي تساءلون به والارحام ط ان الله كان عليكم رقيبا۔"[11]

''اے لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم مانگتے ہوں اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمھیں دیکھ رہا ہے۔''

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

''حضرت قتادہ کے نزدیک یایھا الناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس و احدہ سے مراد حضرت آدم ہے۔اور مجاہد نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے۔''[12]

حضرت آدم کے وجود سے حضرت حوا کی تخلیق کیسے ہوئی اس بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اسی جان سے اس کا جوڑ بنایا گیا۔اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائیبل میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا۔تلمود نے اور زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ حوا کو آدم کی دائیں جانب کی تیرہویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے۔اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مجمل رکھا ہے''[13]

قرآن مجید کے مطابق دنیا میں پہلا خاندان حضرت آدم علیہ السلام کا تھا اور آدم کے اولاد سے مزید خاندان بنے۔اور اس کے علاوہ حضرت نوع کے خاندان کا ذکر بھی موجود ہے جس سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَه اِلَّا قَلِيْلٌ[14]

''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے حضرت نوح کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جوڑا جوڑا لے لو اور جس کی نسبت حکم ہو چکا ہو اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ بہت کم لوگ ایمان لائے تھے۔''

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

"وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ "[15]

''اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے۔اور کہہ رہے تھے۔اے اللہ ہماری دعا قبول فرمائے شک تو سننے اور جاننے والا ہے۔''

2۔دوسرا نظریہ: خاندان کے ارتقاء کے بارے میں دوسرا نظریہ مغربی مفکرین اور مستشرقین نے پیش کی ہے۔

مشہور مستشرق اینگلز خاندان کی تاریخ کے بارے میں لکھتے ہے:

''اولین دور میں خاندان کا آغاز دائروں کے محدود ہونے سے ہوا پہلے آغاز قبیلے کے اندر ہوا۔جس کے اندر دو متضاد رشتے داروں اور بعد میں دور دراز کے رشتے داروں میں بعد پیدا ہوتا چلا گیا۔حتی کے شادیوں کے ذریعے جڑے ہوئے افراد خانہ بھی الگ ہونے لگے آخر میں شادی کے بندھن میں بندھے ہوئے افراد کا جوڑا رہ گیا یہ ایک ایسا مالیکیول ہے جس کے بکھرے سے خاندان بذات خود بکھر جاتا ہے۔''[16]

ان تمام نظریات سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ کہ خاندان کا آغاز وارتقاء ایک مسلسل عمل ہے جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر فرد دوسرے فرد کو مدد فراہم کرتا ہے۔ اسی بات کو بینس Benson یوں بیان کرتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ خاندان کا آغاز وارتقاء ایک مسلسل عمل ہے جس میں ہر فرد دوسرے کا سہارا بن جاتا ہے۔[17]

خاندان کے اقسام

خاندان کی تقسیم کئی اعتبار کی جاتی ہے۔ تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں تو اختصار سے چند جہات سے ہم خاندان کی تقسیم کا ذکر کرتے ہیں۔

تاریخ کے لحاظ سے خاندان نے کئی ارتقائی منازل طے کیے ہیں۔ اقتدار کے لحاظ سے سے خاندان نے جو منازل طے کیے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ پدر سری خاندان: (patriarchal family) باپ خاندان کا سربراہ یا حاکم تصور کیا جاتا ہے اولاد باپ کی سمجھی جاتی ہے سارا اختیارات باپ کو حاصل ہوتے ہیں وراثت باپ کی ہوتی ہے ماں کے قانونی حقوق نہیں ہوتے۔ تاریخی اعتبار سے پدر سری خاندان کا سلسلہ قدیم چلا آرہا ہے۔

2۔ مادر سری خاندان(Matriarchal Family) شادی کے بعد مرد عورت کے گھر میں رہتا ہے عورت گھر کی ملکہ ہوتی ہے بچے اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں جائیداد اسی کی سمجھی جاتی ہے خاندان کی یہ قسم بعض غیر متمدن علاقوں میں پایا جاتا ہے۔

ساخت کے لحاظ سے خاندان کے اقسام: ساخت کے لحاظ سے خاندان کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

نیوکلیئر خاندان (single family-Nuclear Family) ، توسیعی خاندان (Extended Family)، مشترکہ خاندان: (Joint Family)

شادی کے اعتبار سے خاندان کے اقسام

شادی کے اعتبار سے خاندان کے تین اقسام ہیں: یک زوجگی: (Monogamy)۔ کثیر زوجگی: (polygamy)۔ کثیر شوہری (polyandry)

خاندان اور ازدواجی تعلق

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس باہمی تعلق کو تہذیبوں کے استحکام کے لیے ناگزیر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"تمام تہذیبوں میں زن و شوہر کے تعلق کو شادی کا اولین دستور سمجھا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے بے شمار فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تعلق ہے جس کی کئی وجوہات کی بناپر اہمیت وضرورت مسلمہ ہے۔ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ حقیقی ترقی اور فلاح زن و شوہر کے باہمی تعلق پر منحصر ہے۔ اسی لیے زمانہ قدیم سے عقلمندوں نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس کا نام شادی رکھا جائے اور اس کو اظہارِ مسرت کی ایک تقریب بنایا جائے۔ تمام قوانین نے ہمیشہ خاندان میں اس تعلق کی مضبوطی اور استحکام پر زور دیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اس رشتے کو اس طرح استوار کیا جائے کہ اس کے حقیقی مقاصد حاصل کیے جاسکیں اور اس میں کوئی ایسا رخنہ نہ پڑے جس کی بدولت تلخی یا کشمکش پیدا ہو۔

یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شوہر اور بیوی میں محبت نہ ہو۔ چنانچہ اس قریبی تعلق کو استحکام بخشنے کے لیے ضروری قرار پایا کہ یہ رشتہ دائمی اور پائیدار ہو۔"[18]

خاندانی زندگی کی روحانی ضرورت

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جسم اور روح کا مرکب بنایا ہے۔ جتنی ضرورت جسمانی تسکین کی ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ ضروری روحانی تسکین کا حصول ہے۔ اگر انسان کی روح آسودہ نہ ہو تو وہ رفتہ رفتہ بے دلی محسوس کرنے لگتا ہے اور کارِ حیات سے بیزار ہو جاتا ہے۔ انسان کی اسی فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جوڑوں میں پیدا کیا گیا ہے اور ازدواجی زندگی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندانی زندگی ہی انسان کو روحانی سکون فراہم کرتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے

"هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا "[19]

"وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے"۔

خاندانی زندگی ہی زندگی کو مقصد اور حقیقت کو منزل عطا کرتی ہے۔ انسان خواہ مغرب میں رہے یا مشرق میں، گھر جانے کے سارے راستے اسے اچھے لگتے ہیں۔ اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے جلال الدین عمری لکھتے ہیں

"تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہ اقوام جن میں جنسی آوارگی عام ہوئی، وہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکیں، اور تجرد پسندوں نے تو کسی تہذیب کو پروان ہی نہیں چڑھنے دیا۔"[20]

مغربی معاشروں میں گھریلو نظام کی تباہی نے نسلِ نو کو بے لگام کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں جنسی انارگی اور اخلاقی انحطاط نے جنم لیا ہے۔ وہاں کے نوجوانوں نے جنسی لذت کو ہی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے، جس کی وجہ سے ان میں صرف حیوانی جذبات باقی رہ گئے ہیں، جبکہ انسانی اقدار اور روحانی جذبات معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔

عائلی زندگی کی اہمیت اور اسلامی تعلیمات

عائلی زندگی خاندان کی بنیاد اور معاشرتی زندگی کا بنیادی پتھر ہے، جس سے سارا معاشرتی نظام قوت حاصل کرتا ہے۔ خاندان مرد اور عورت یعنی میاں، بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور ان تمام افراد کا آپس میں گہرا اور مضبوط تعلق پورے معاشرے کے اطمینان اور سکون کا باعث بنتا ہے۔ ان تمام رشتوں کی مضبوطی کی بنیاد پر ہی عائلی زندگی مستحکم ہوتی ہے۔ اسلام میں عائلی زندگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ جب اللہ رب العزت نے اپنی سب سے خوبصورت مخلوق کو پیدا فرمایا، تو جہاں جنت میں اس کی تسکین و آرام کے اسباب مہیا کیے، وہیں سب سے بڑا انعام اس کی تسکین کے لیے اس کا جوڑا پیدا کرنا تھا۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ [21]

"اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔"

انسان کے لیے جوڑے کی تخلیق باعثِ اطمینان اور سکون ہے۔ چونکہ اسلام دینِ فطرت ہے، اس نے انسان کی ہر فطری ضرورت کا اہتمام کرتے ہوئے اسے ایک خوبصورت ساتھی عطا کیا، تاکہ وہ زندگی کی خوشیوں میں شریک ہو سکے اور پریشانیوں میں اس کا ساتھی اس کے لیے معاون ثابت ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ [22]

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

حقیقت یہی ہے کہ جب انسان کی زندگی میں محبت اور سرور نہ ہو، تو وہ زندگی خشک اور بے لطف محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے زندگی کے ہر شعبے میں خوشی اور سرور کے اسباب پیدا کیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا[23]

"وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔"

اللہ تعالیٰ نے عورت کو غلام کے طور پر نہیں، بلکہ ہمدرد اور غمخوار بیوی کے طور پر پیدا فرمایا، تاکہ وہ مرد کے لیے سکون کا ذریعہ بن سکے۔ سکون ایک فطری اور نفسیاتی معاملہ ہے، اور اس سے انسان کو سماجی تعلقات میں وسعت اور انسیت حاصل ہوتی ہے۔ زوجین کا رشتہ ہی فطری مسرت اور سکون کا ذریعہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس تعلق کو ایک خوبصورت استعارے کے ذریعے بیان فرمایا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ [24]

"وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔"

خاندان انسان کی فطری اور بنیادی ضرورت ہے۔ اس وسیع کائنات میں انسان سب سے زیادہ محفوظ اور پُرسکون اس جگہ کو محسوس کرتا ہے جہاں اس کا گھر ہوتا ہے اور جہاں اس کے اہلِ خانہ آباد ہوتے ہیں۔ اسی تعلق کی بنا پر سکون اور راحت نصیب ہوتی ہے، اور یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان پر ایک خصوصی انعام قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا[25]

"اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے لیے نسب اور سسرالی رشتے قائم کیے، اور تمہارا رب قدرت والا ہے۔"

انسان کے لیے گھر وہ جگہ ہے جہاں اسے سکون، محبت اور تعاون میسر آتا ہے۔ ایک خوشحال خاندان نہ صرف فرد کی شخصیت سنوارتا ہے بلکہ پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ عائلی زندگی نہ صرف سکون فراہم کرتی ہے بلکہ سماجی اور معاشی تحفظ کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ خاندان کے اندر ہی بچوں کی تربیت، بوڑھوں کا سہارا اور ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ

"اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں، اوران سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور تمہیں پاکیزہ رزق دیا۔"[26]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عائلی زندگی کے استحکام پر زور دیا اور فرمایا:

"كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ" [27]

"کسی شخص کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کردے جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔"

تحریک حقوق نسواں کا تاریخی پس منظر

تحریکِ حقوقِ نسواں ایک عالمی سطح کی سماجی، فکری اور قانونی جدوجہد ہے جس کا مقصد خواتین اور لڑکیوں کو وہ تمام بنیادی انسانی حقوق دلوانا ہے جن سے وہ صدیوں سے محروم رہی ہیں۔ یہ تحریک ان مظالم، امتیازات، اور ناانصافیوں کے خلاف ردِ عمل کے طور پر ابھری جو عورتوں کو مختلف تہذیبی، ثقافتی، خاندانی اور قانونی نظاموں کے تحت برداشت کرنا پڑے۔ اس تحریک کا دائرہ کار صرف تعلیم، روزگار یا ووٹ کے حق تک محدود نہیں بلکہ یہ خواتین کی سماجی، سیاسی، معاشی اور ذاتی خود مختاری کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ بیسویں صدی میں جب دنیا نے ترقی کے نئے دور میں قدم رکھا تو یہ تحریک جدید فیمینزم کے نام سے مشہور ہوئی، جس نے صنفی مساوات اور عورت کو مرد کے مساوی حقوق دینے کا مطالبہ شدت سے بلند کیا۔ قرآنِ مجید بھی عورت کے وقار، عدل اور مساوات پر زور دیتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ربانی ہے:

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔"[28]

"عورتوں کے لیے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر واجب کیے گئے ہیں، دستور کے مطابق"۔

اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام بھی عورت کو عزت، اختیار اور انصاف کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق دیتا ہے، جو اس تحریک کے اصل مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔

حقوقِ نسواں یا فیمینزم کی اصطلاح کا تصور اٹھارہویں صدی عیسوی میں اس وقت سامنے آیا، جب مغربی مفکرین نے فرد کی آزادی کے لیے معاشرتی بندھنوں کے خلاف آواز بلند کی اور شخصی آزادی کا نعرہ لگایا۔ انقلاب فرانس کے ذریعے فرد کو آزادی حاصل ہوئی، اور یہ نعرہ صرف عورتوں ہی نہیں بلکہ مردوں نے بھی بلند کیا۔ یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ اُس دور میں حقوقِ نسواں کا نعرہ صرف عورتوں کے حقوق تک محدود نہ تھا، بلکہ یہ عوامی حقوق کے حصول کی ایک وسیع تر جدوجہد کا حصہ تھا۔ انقلابِ فرانس کے بعد، اگرچہ عورتوں کو مکمل نہیں، لیکن جزوی حقوق حاصل ہو گئے۔

"فیمینزم کی اصطلاح سب سے پہلے 1880 کی دہائی کے اواخر میں فرانس کے ایک جریدے La Citoyenne میں استعمال کی گئی۔ یہ اصطلاح ہبرٹائن آکلرٹ (Hubertine Auclert) نامی خاتون نے وضع کی، جو فرانس میں مخصوص سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات میں خواتین کے حقوق واختیارات کے حصول کے لیے سرگرم تھیں۔ ان کی کوششوں نے خواتین کے حقوق کے لیے ایک اہم بنیاد فراہم کی۔"[29]

میری وولسٹن کرافٹ (Mary Wollstonecraft) وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اپنی کتاب کے ذریعے عورتوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب A Vindication of the Rights of Woman (عورت کے حقوق کی بحالی) تحریر کی، جو تحریکِ حقوقِ نسواں پر پہلی باقاعدہ کتاب تصور کی جاتی ہے۔ تاہم، اس وقت یہ کتاب زیادہ اثر نہ ڈال سکی۔[30] بعد ازاں، جان اسٹورٹ مل (John Stuart Mill) نے اپنی کتاب The Subjection of Women (عورتوں کی محکومی) لکھی، جس نے اس تحریک کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔

تحریک حقوق نسواں کے مکاتب فکر

تحریکِ آزادی نسواں ایک ایسی تحریک ہے جس نے مختلف ادوار میں مختلف صورتیں اختیار کیے۔ ابتدا میں اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ عورت کو ایک انسان ہونے کے ناطے بنیادی انسانی حقوق دلائے جائیں۔ تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ اس کے مطالبات مردوں کے مساوی حقوق سے بڑھ کر مردوں کے معاشرتی کردار کی نفی اور بعض اوقات ان سے نفرت تک جا پہنچتی ہے اس تبدیلی کی بنیادی وجہ وہ نظریات تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ اس تحریک کا حصہ بنتے گے۔ اب تک تحریکِ حقوقِ نسواں کے سات نمایاں نظریات سامنے آچکے ہیں۔ ذیل میں ان کا، نظریات تعارف پیش کیا جائے گا تاکہ اس تحریک کے مقاصد اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

1. آزاد خیال نسائیت کے افکار (individualistic)

آزاد خیال نسائیت انفرادیت نسائی نظریہ ہے جو اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ عورت اپنے عمل اور انتخاب کے ذریعے مساوات قائم کر سکتی ہے۔ آزاد خیال نسائیت قانونی اور سیاسی حقوق میں عورت کو مرد کے برابر مقام دینے پر زور دیتی ہے۔[31]

2۔ بنیاد پرست نسائیت کے افکار (Feminism Radical)

بنیاد پرست نسائیت کے نظریات اس وقت سامنے آئے جب 1960ء میں امریکہ میں تحریک آزادی نسواں (woman s liberation Movement t) کا آغاز ہوا۔ بنیاد پرست نسائیت کے مطابق پدرانہ نظام ایک تاریخی رجحان ہے جو انسانی جبر کا قدیم ترین ذریعہ ہے۔ عورت کے تولیدی، جنسی آزادی، فحش نگاری، اور ہم جنس پرستی کے حقوق کا بھی مطالبہ کرتی ہے تاکہ ایک مساوی معاشرہ تشکیل دیا جا سکے[32]

3۔ مارکسی اور سماجی نسائیت کے افکار

یہ نظریہ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے خیالات پر مبنی ہے مارکسی نسائیت کے مطابق عورت کی محکومی کی اصل وجہ سرمایہ دارانہ نظام اور نجی ملکیت ہے۔ ان کے نزدیک خواتین کی آزادی صرف سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے سے ممکن ہے، کیونکہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں زیادہ تر خواتین کو ان کی محنت کا پورا معاوضہ نہیں ملتا۔

4۔ تحلیل نفسی نسائیت کے افکار

تحلیل نفسی نسائیت یا نفسیات پسند نسائیت کے افکار سگمنڈ فرائڈ Sigmund Freud کے پیش کردہ نظریہ تحلیل نفسی کی بنیاد پر قائم ہیں۔اس نظریے کے مطابق صنف (gander) کی بنیاد حیاتیاتی نہیں بلکہ فرد کے نفسیاتی اور جنسی اظہار پر مبنی ہے۔ تحلیل نفسی نسائیت کا حل اس بات میں ہے کہ مخلوط نظام تعلیم کو فروغ دیا جائے تاکہ جنس gander کی بنیاد پر معاشرے میں موجود تقسیم ختم کی جا سکے۔اس کے ذریعے مرد اور عورت کو برابری کی بنیاد پر ترقی کرنے اور اپنی انفرادی خصوصیات کو آزادانہ طور پر اظہار کرنے کا موقع دیا جا سکتا ہے۔[33]

•5 ماحولیاتی نسائیت کے افکار

ماحولیاتی مسائل اور لسانی مسائل آپس میں جڑے ہوئے ہیں، اور زمین کو بچانے کے لیے ماحولیاتی انقلاب کی ضرورت ہے، جس میں خواتین اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔[34]

- جدیدیت پسند نسائیت کے افکار (postmodern Feminism)

جدیدیت پسند نسائیت ایک سماجی اور سیاسی تحریک ہے۔[35]

تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ادوار

خواتین کے موجودہ حقوق اور آزادی کی جدوجہد ایک طویل اور مشکل تاریخ رکھتی ہے۔خواتین کے حقوق کی تحریک کے لیے "لہر" کا استعارہ اس لیے اختیار کیا گیا۔لہر" کی اصطلاح سب سے پہلے مارچ 1968 میں مارتھا ویمنن نے نیویارک ٹائمز میگزین میں استعمال کی۔

پہلا دور: انیسویں صدی تا 1960

تحریکِ حقوقِ نسواں کا پہلا دور انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل تک جاری رہا۔اس دور میں خواتین کا سب سے اہم مطالبہ یہ تھا کہ انہیں ووٹ کا حق دیا جائے، کیونکہ اس سے پہلے مغربی دنیا میں خواتین کو سیاسی فیصلوں میں حصہ لینے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ خواتین کی اس جدوجہد کا آغاز امریکہ سے ہوا، جہاں سوسن بی انتھونی اور الزبتھ کیڈی اسٹینٹن جیسے قائدین نے قیادت کی۔ان خواتین نے سخت محنت اور عزم سے اس بات کو یقینی بنایا کہ خواتین کو ووٹ دینے کا حق ملے۔یہ تحریک صرف امریکہ تک محدود نہیں رہی بلکہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، نیدرلینڈز، ڈنمارک، اور برطانیہ سمیت یورپ کے دیگر ممالک میں بھی اس تحریک نے جنم لیا۔[36] اس دور کی اہم شخصیات میں سے الزبتھ کیڈی اسٹینٹ، نسوزن بی. انتھونی اور لوکریشیا موٹ کے نام نمایاں ہے۔

اہم مطالبات:

- خواتین کو بنیادی انسانی حقوق دیے جائیں، جیسے تعلیم کا حق، ملازمت کا حق، اور جائیداد میں حصہ۔
- خواتین کو ووٹ کا حق دیا جائے۔

اہم کامیابیاں

- 1۔انیسویں آئینی ترمیم (1920) 2۔ تعلیمی اور قانونی اصلاحات

کئی دہائیوں کی جدوجہد کے بعد، امریکی آئین میں انیسویں ترمیم کے ذریعے خواتین کو ووٹ کا حق دیا گیا۔

دوسرا دور: 1960تا1980

نسائیت کی دوسری لہر کا دائرہ کار پہلی لہر سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ دوسری لہر نے خواتین کی زندگی کے سماجی، ثقافتی، اور ذاتی پہلوؤں کو بھی شامل کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں خواتین کی معاشی اور سماجی حیثیت ایک بار پھر پسماندہ ہو گئی، جس سے ان کی خود مختاری اور آزادی پر شدید اثر پڑا۔ ان حالات میں خواتین نے مردوں کے تسلط اور سماجی ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانی شروع کی۔[37] اہم شخصیات میں بیٹی فریڈن (The Feminine Mystique – 1963)، گلوریا اسٹینم اور شیولے میٹرکس مشہور ہیں۔

تیسرا دور: 1990تا2010

1990 کی دہائی میں نوجوان خواتین نے محسوس کیا کہ دوسری لہر کی نسائیت کئی پہلوؤں میں محدود تھی۔ یہ تحریک زیادہ تر سفید فام اور متوسط طبقے کی خواتین کے مسائل پر مرکوز تھی، جبکہ دیگر گروہ، جیسے سیاہ فام خواتین، مزدور طبقے کی خواتین، اور ایل جی بی ٹی کیو+ کمیونٹیز کی خواتین کو نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ ان حالات میں، تیسری لہر نسائیت نے ان متنوع تجربات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی اور اس میں شامل خواتین نے یہ مطالبہ کیا کہ نسائیت میں مختلف پس منظر اور شناخت رکھنے والی خواتین کی آواز کو سنا جائے۔[38]

چوتھا دور: 2010تاحال

چوتھی لہر کا نمایاں پہلو ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کا استعمال ہے، جو عالمی سطح پر خواتین کے حقوق کی جدوجہد کو ایک نیا رنگ دے رہا ہے۔ اس لہر کا بنیادی مقصد صنفی مساوات کے مسائل کو ختم کرنا، جنسی ہراسانی، تشدد، اور پدرشاہی نظام کو چیلنج کرنا ہے۔ چوتھی لہر کی تحریک کا آغاز 2007 میں ہوا جب افسانوی فلم پروڈیوسر ہاروی وائنسٹائن پر جنسی بدسلوکی کے الزامات عائد کیے گئے، اور اس کیس نے عالمی سطح پر شہرت حاصل کی۔ اس کے بعد ترانہ برک نے #MeToo تحریک کی بنیاد رکھی، جس میں دنیا بھر کی خواتین سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ سوشل میڈیا کے ذریعے جنسی ہراسانی کے خلاف آواز اٹھائیں۔[39]

مطالبات

- جنسی ہراسانی اور تشدد کے خاتمے کے لیے سخت قوانین بنائے جائے
- سوشل میڈیا کے ذریعے خواتین کے مسائل کو اجاگر کرنا۔
- ٹرانس جینڈر اور غیر بائنری افراد کے حقوق کو تسلیم کرنا۔
- کام کی جگہ پر خواتین کے لیے محفوظ ماحول فراہمی کی جائے۔

عورتوں کے حقوق کے لیے بین الاقوامی معاہدات

خواتین کے حقوق کی جدوجہد ایک طویل اور پیچیدہ تاریخ ہے۔ سطح پر اس جدوجہد نے ایک مضبوط اور منظم تحریک کی شکل اختیار کی، خاص طور پر مغربی دنیا میں اٹھنے والی حقوقِ نسواں کی تحریکیں اس سلسلے میں بہت مؤثر ثابت ہوئیں۔ان تحریکوں نے عورت کو محض ایک گھریلو کردار تک محدود رکھنے کے روایتی تصور کو چیلنج کیا۔ان تحریکوں کی بدولت کئی عالمی سطح کے معاہدات اور کنوینشنز وجود میں آئے۔مغربی سیاسی اور سماجی پالیسی سازوں نے حقوقِ نسواں کی اس تحریک کو عالمی ایجنڈے کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا،اور اس تحریک کو مزید تقویت دینے کے لیے اقوامِ متحدہ کا پلیٹ فارم فراہم کیا۔1952 میں اقوامِ متحدہ نے خواتین کو ووٹ کا حق دیا اور بعد ازاں اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں یہ شق شامل کر دی گئی کہ مرد و عورت میں صنف کے اعتبار سے کوئی فرق موجود نہیں لہٰذا مرد اور عورت کے تمام حقوق یکساں ہیں۔تاہم، یہی پلیٹ فارم اسقاطِ حمل جیسے متنازع ایجنڈے کو عالمی سطح پر نافذ کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا۔

اپنے قیام کے بعد اقوامِ متحدہ نے مرد و عورت کے مساوی حقوق کے لیے ایک کمیشن قائم کیا، جس نے دو سال کی کوشش کے بعد ایک دستاویز تیار کی، جسے سیڈا معاہدہ(CEDAW) کا نام دیا گیا۔اب مغرب میں چلنے والی نسوانی تحریکوں کا ایجنڈا اقوامِ متحدہ کا ایجنڈا بن چکا ہے۔[40]

سیڈاCEDAW معاہدے کا تعارف

Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination (CEDAW) Against Women کا مخفف ہے، ایک بین الاقوامی معاہدہ ہے جو خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے لیے اقوامِ متحدہ کے تحت 1979 میں منظور ہوا۔اس معاہدے کو "عالمی سطح پر خواتین کے حقوق کا بِل" بھی کہا جاتا ہے۔30 ستمبر 1981 کو اس معاہدے کو قانونی حیثیت دی گئی،اور اب تک 189 ممالک اس کی توثیق کر چکے ہیں، جو عالمی سطح پر اس کے وسیع اثر و رسوخ کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان نے 1996 میں اور سعودی عرب نے 2000 میں اس معاہدے کی توثیق کی تھی۔اس معاہدے کے بعض نکات مختلف ممالک کے لیے متنازع رہے ہیں، جس کے نتیجے میں 50 سے زائد ممالک نے بعض شقوں پر تحفظات اور اعتراضات کے ساتھ اس کی توثیق کی، جب کہ 38 ممالک نے بعض شقوں کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ان اعتراضات کی نوعیت زیادہ تر اس معاہدے کے نفاذ، اس کی تشریح،اور مقامی قوانین و روایات سے اس کی مطابقت پر مبنی رہی ہے۔[41]

سیڈا معاہدہ(CEDAW) چھ حصوں اور 30 آرٹیکلز پر مشتمل ہے، جن میں سے آرٹیکل 1 تا 16 رکن ممالک کو اس بات کا پابند بناتے ہیں کہ وہ مرد و زن کے درمیان مساوات کو یقینی بنانے کے لیے سنجیدہ اقدامات کریں۔ باقی 14 آرٹیکلز میں معاہدے کے نفاذ کا جائزہ لینے والی کمیٹی(CEDAW Committee) کی تشکیل، اس کے اختیارات اور دیگر قانونی امور پر بات کی گئی ہے۔

- **بیجنگ کانفرنس برائے عالمی حقوقِ نسواں**

1995 میں منعقد ہونے والی چوتھی عالمی کانفرنس برائے خواتین، جسے عام طور پر بیجنگ کانفرنس کہا جاتا ہے، اقوامِ متحدہ کی زیرِ نگرانی بیجنگ

کانفرنس سے پہلے تین اور عالمی کانفرنس (میکسیکو 1975، کوپن ہیگن 1980، نیروبی 1985) خواتین کے حقوق کے حوالے سے منعقد ہو چکے تھے بیجنگ کانفرنس چوتھا عالمی کانفرنس ہے جو ان تمام کوششوں کا نچوڑ ہے، جس نے خواتین کے حقوق کو عالمی ترقی کے ایجنڈے کا حصہ بنایا۔ کانفرنس میں کل 189 ممالک کے نمائندگان اور تقریباً 17,000 مندوبین نے شرکت کی، جس کی وجہ سے یہ صنفی مساوات کے لیے ایک اہم عالمی پلیٹ فارم بن چکا ہے۔

- **بیجنگ ڈیکلیریشن اور پلیٹ فارم فار ایکشن**

کانفرنس کا سب سے بڑا نتیجہ بیجنگ ڈیکلیریشن اور پلیٹ فارم فار ایکشن تھا، جو صنفی مساوات کو فروغ دینے کے لیے ایک جامع خاکہ فراہم کرتا ہے۔ اس میں درج ذیل 12 اہم شعبوں میں خواتین کے مسائل کو اجاگر کیا گیا

ڈرافٹ کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- عورت اور مرد میں کوئی فطری فرق موجود نہیں ہے۔
- عورت کا روایتی کردار (ماں، بہن، بیٹی یا بیوی) بھی بدلنے کی ضرورت ہے، یعنی معاشرتی ڈھانچہ تبدیل ہونا چاہیے۔
- اسمبلیوں اور دیگر منتخب اداروں میں خواتین کا کوٹہ 50 فیصد ہونا چاہیے۔
- معاشرتی ڈھانچے کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ مرد اور عورت میں مکمل مساوات حاصل ہو سکے۔
- نوکریوں میں 50 فیصد کوٹا خواتین کے لیے مختص کیا جائے۔
- بچے پیدا کرنے کا حق خواتین کو ملنا چاہیے، یعنی یہ معاملہ صرف ان کی رضامندی اور منشا پر ہو۔
- اسقاطِ حمل کو جائز قرار دیا جائے اور اس کا حق و اختیار خواتین کے پاس ہو۔
- عورت کو ہم جنس پرستی کی قانونی اجازت دی جائے۔
- جسم فروشی کو قانونی حیثیت دی جائے۔
- شادی شدہ زندگی کی مکمل طور پر حوصلہ شکنی کی جائے۔
- مذہب پر زبردست تنقید کی گئی کہ یہ عورت کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

پاکستان بھی اس کانفرنس میں شریک تھا، تاہم پاکستان کے طرف سے یہ شرط لگائی کہ وہ ان دفعات کا پابند نہیں ہوگا جو آئینِ پاکستان سے متصادم ہیں۔

سیڈا معاہدے پر اسلامی ممالک کے اعتراضات:

اسلامی ممالک کا موقف ہے کہ یہ معاہدہ مغربی فکر اور تہذیب کی عکاسی کرتا ہے، جس میں مرد و عورت کے درمیان مساوات (Equality) کو ایک مطلق اصول کے طور پر اپنایا گیا ہے، جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے مساوات کا مطلب عدل پر مبنی حقوق کی تقسیم ہے۔

سیڈا معاہدے کے تحت مرد اور عورت کو ایک جیسے سماجی، سیاسی، معاشی اور قانونی حقوق دیے گئے ہیں، جو کہ مغربی فکر میں "برابری" کا مطلب رکھتے ہیں۔ لیکن اسلامی معاشرت میں مساوات کا مطلب فطری و شرعی اصولوں کے مطابق حقوق و فرائض کی تقسیم ہے، جہاں ہر صنف کو اس کی فطری ذمہ داریوں کے اعتبار سے حقوق دیے جاتے ہیں۔

اسلامی معاشروں میں خاندانی نظام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جہاں والدین، اولاد اور خونی رشتے ایک مضبوط سماجی اکائی تشکیل دیتے ہیں۔ لیکن سیڈا معاہدہ انفرادی آزادی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے، جو اسلامی عائلی نظام سے متصادم ہے۔ مثال کے طور پر، معاہدے میں طلاق کے قوانین، وراثت کی تقسیم، اور خواتین کے طرزِ زندگی میں مکمل آزادی کے اصول شامل ہیں، جو مشرقی سماجی و خاندانی نظام کے برخلاف ہیں۔ اسی طرح، سیڈا معاہدہ شرعی پردے کو خواتین پر جبری پابندی قرار دیتا ہے، جبکہ اسلامی ممالک میں اسے مذہبی آزادی اور ثقافتی روایت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کئی اسلامی ممالک نے سیڈا معاہدے کو یا تو مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے، یا اس کی بعض دفعات پر تحفظات کا اظہار کیا ہے، خاص طور پر وہ دفعات جو شادی، خاندانی نظام، وراثت، اور سماجی روایات سے متعلق ہیں۔

مختلف اسلامی ممالک کے شبہات

1. پاکستان

پاکستان نے محترمہ بے نظیر بھٹو کے دورِ حکومت (1993) میں، صدر فاروق احمد لغاری کے ذریعے سیڈا معاہدے پر دستخط کیے، تاہم کچھ تحفظات کے ساتھ۔ پاکستان نے اعلان کیا کہ: "اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت اعلان کرتی ہے کہ وہ خود کو کنونشن کے آرٹیکل 29 کے پیرا گراف 1 کا پابند نہیں سمجھتی۔ ہم ان دفعات کے پابند نہیں ہوں گے جو آئینِ پاکستان اور اسلامی اصولوں سے متصادم ہوں۔" جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت (2000ء) میں "قومی کمیشن برائے وقارِ نسواں" (National Commission on Status of Women - NCSW) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو ملکی سطح پر خواتین کے حقوق سے متعلق قوانین کا جائزہ لے گا اور سیڈا معاہدے کے تحت اسے جمع کروائے گا۔

2. بنگلہ دیش

بنگلہ دیش نے سیڈا معاہدے کے دفعہ نمبر 2 (جو امتیازی قوانین کے خاتمے سے متعلق ہے) اور دفعہ نمبر 16 (جو شادی اور عائلی نظام میں مساوات سے متعلق ہے) پر تحفظات کا اظہار کیا۔

3. سعودی عرب

سعودی عرب نے 7 ستمبر 2000 کو CEDAW کی توثیق کی، لیکن ساتھ ہی یہ تحفظ شامل کیا کہ "اگر کنونشن کی کوئی شق اسلامی شریعت کے اصولوں سے متصادم ہوئی تو مملکت اس پر عمل درآمد کی پابند نہیں ہوگی۔" سعودی عرب نے آرٹیکل 9 پیرا گراف 2 اور آرٹیکل 29

پیراگراف 1 کو بھی تسلیم نہ کرنے کا اعلان کیا۔

4. عراق

عراق نے سیڈا معاہدے کی توثیق کرتے وقت دفعہ نمبر 2 (پیراگراف F اور G) اور دفعہ نمبر 16 پر اعتراض کیا، جو کہ شادی اور خاندانی تعلقات میں مساوات سے متعلق ہیں

۔5. کویت

کویت نے سیڈا معاہدے کے دفعہ نمبر 9 پر اعتراض کیا، جو بچوں کی قومیت کے حق سے متعلق ہے۔ کویت کا مؤقف ہے کہ یہ شق اسلامی قوانین کے خلاف ہے، اور چونکہ کویت ایک اسلامی ملک ہے، اس لیے وہ اس پر عمل نہیں کرے گا۔

6. قطر

قطر نے سیڈا معاہدے کی متعدد دفعات پر اعتراض کیا، جن میں درج ذیل دفعات شامل ہیں:

- دفعہ نمبر 2: امتیازی قوانین کے خاتمے کی شق، جو ملک کے آئین سے متصادم ہے۔
- دفعہ نمبر 9 (شق نمبر 2): بچے کی قومیت کے حق سے متعلق شق۔
- دفعہ نمبر 15 (شق نمبر 1 اور 5): خواتین کو وراثت اور گواہی میں برابری دینے سے متعلق شقیں۔
- دفعہ نمبر 16 (شق نمبر 1): زوجین کے مساوی حقوق سے متعلق شق۔

قطر نے ان تمام شقوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ اسلامی عائلی قوانین کے خلاف ہیں، لہذا قطر ان پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔ دیگر اسلامی ممالک شام، لبنان، بحرین اور اردن نے بھی سیڈا معاہدے کی بعض دفعات پر اعتراضات کیے ہیں، خاص طور پر دفعہ نمبر 16 (جو خاندانی نظام اور ازدواجی تعلقات سے متعلق ہے) پر۔ اس کے علاوہ، ان تمام دفعات پر تحفظات ظاہر کیے گئے جو اسلامی شریعت کے خلاف ہیں۔

خلاصہ:

سیڈا معاہدے پر اسلامی ممالک کے اعتراضات محض قانونی یا سیاسی نوعیت کے نہیں، بلکہ ان کا تعلق اسلامی شریعت، خاندانی نظام اور مشرقی روایات سے ہے۔ یہ معاہدہ مکمل طور پر مغربی نظریۂ حیات پر مبنی ہے، جو فرد کی آزادی اور مطلق مساوات پر زور دیتا ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات عدل، فطری تقسیمِ کار اور خاندانی نظام کی مضبوطی کو ترجیح دیتی ہیں۔ مغربی فکر میں مساوات کا مطلب یکسانیت (Absolute Equality) ہے، جبکہ اسلامی نقطۂ نظر میں مساوات کا مطلب عدل (Justice) ہے۔ اسلام میں مرد اور عورت کو برابر حقوق دیے گئے ہیں، لیکن ان کے فرائض اور ذمہ داریاں ان کی فطری ساخت کے مطابق ہیں۔ اسلامی تہذیب میں خاندان بنیادی اکائی ہے، جبکہ سیڈا معاہدہ فرد کو بنیادی حیثیت دیتا ہے۔ اس کی دفعات شادی، طلاق، وراثت اور خاندانی تعلقات کے مغربی تصورات کی عکاسی کرتی ہیں، جو اسلامی تعلیمات کے ساتھ متصادم ہیں۔

سیڈا معاہدے اور اس جیسے دیگر مغربی نظریات کا اطلاق مسلم معاشروں پر صرف اثر نہیں بلکہ فکری مرعوبیت (Intellectual Subjugation) کا باعث بنا۔ مغربی افکار اور یورپی تہذیب نے اسلامی دنیا کو اس حد تک متاثر کیا کہ اپنی تہذیبی اور دینی اقدار پس پشت ڈال دے گئیں۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات نہ صرف عورت کے حقوق کا جامع اور متوازن تعین کرتی ہیں بلکہ خاندان کے ادارے کو ایک بنیادی اکائی کے طور پر تحفظ بھی فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سیڈا معاہدے کا اسلامی تعلیمات اور خاندانی نظام کے تناظر میں تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا جائے۔ ذیل میں سیدا معاہدے کے ان دفعات کا جائزہ پیش کیا جائے گا جو اسلامی خاندانی نظام پر اثرات انداز ہوتے ہے ۔ان عالمی معاہدات و کمیشن کے بعض شقوں کا مقصد خاندانی نظام میں موجود اسلامی و فطری اصولوں کو نظرانداز کرتے ہوئے مغربی نظریات، خاص طور پر "صنفی مساوات" (Gender Equality) کے تصور کو فروغ دینا تھا، جو CEDAW معاہدے کی اصل روح سے مطابقت رکھتا ہے۔

سیڈا معاہدے کے آرٹیکل دو میں جس "صنفی مساوات" کا مطالبہ کیا گیا ہے، تاہم، CEDAW آرٹیکل 2 کا اصل مؤقف صرف عمومی مساوات تک محدود نہیں، بلکہ یہ مکمل صنفی مساوات (Absolute Gender Equality) کا داعی ہے، جو ہر دائرۂ عمل، ہر قانونی پہلو، اور ہر معاشرتی کردار میں مرد و عورت کے درمیان تفریق کو امتیازی سلوک قرار دیتا ہے۔ یہی نقطہ اسلامی تعلیمات اور آئینِ پاکستان کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے۔

اسلام مساوات (Equality) کے بجائے عدل (Justice) کا قائل ہے۔ شریعت نے مرد و عورت کی فطرت، جسمانی ساخت، نفسیاتی رجحانات اور معاشرتی کردار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۔[42]

"مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس کی بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔"

قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد، ادارے یا اجتماعی نظام کے معاملات کو چلانے، اس کی حفاظت و نگرانی کرنے اور اس کے لیے مطلوبہ ضروریات فراہم کرنے کا ذمہ دار ہو۔ مرد ان تینوں معنوں میں قوام یا قیم ہے۔

خانگی زندگی کے نظم کو برقرار رکھنے کے لیے بہر حال زوجین میں سے ایک کا قوام اور صاحبِ امر ہونا ضروری ہے۔ اگر دونوں بالکل مساوی درجے اور مساوی اختیارات رکھنے والے ہوں تو بد نظمی کا پیدا ہونا یقینی ہے جیسا کہ فی الواقع ان قوموں میں رونما ہو رہا ہے جنھوں نے عملاً زوجین کے درمیان اس قسم کی مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ قوامیت ذمہ داری، کفالت اور قیادت کا بوجھ ہے، جس کے تحت مرد پر معاشی و سماجی بوجھ ڈالا گیا، اور عورت کو فکری و جسمانی آسودگی دی گئی۔ ایسے میں اگر مکمل مساوات کے نام پر مرد و عورت کے دائرۂ عمل کو یکساں کر دیا جائے، تو نہ صرف یہ فطری تقسیمِ کار کے خلاف ہو گا بلکہ

خاندانی نظام کی بنیادیں بھی کمزور ہو جائیں گی۔

پاکستانی آئین کا بنیادی ڈھانچہ اسلامی اصولوں پر مبنی ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل جیسا آئینی ادارہ موجود ہے جو آرٹیکل 230 کے تحت ریاست کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں قانون سازی کی تجاویز دیتا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے آئینی و قانونی تناظر میں CEDAW کے آرٹیکل 2 کا مکمل نفاذ ایک غیر ضروری اور غیر فطری تقاضا ہے۔

حوالہ جات

---

[1] وصی اللہ کھوکھر، جہانگیر اردو لغت جدید، لاہور نیاز جہانگیر پرنٹر، ص428

[2] ابن منظور افریقی (لسان العرب، بیروت دار حیاء التراث 1988ء ج4، ص238

[3] الموسوعۃ الفقھیۃ، وزارۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ کویت۔ 1418ھ، 223/4

[4] محمد رواس قلعجی معجم لغۃ الفقھاء، بیروت، لبنان دار النفائس الطباعۃ والنشر والتوزیع، شارع فردان۔ بنایۃ الصباح طبع دوم 1988م 299/1)

[5] صدیقی، ڈاکٹر محمد یسین مظہر، خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات، مجموعہ مقالات، 2010ء ص21م

6 Dictionary of social sciences, Family, England Oxford University, press, 2000, p 257

7 Oxford Dictionary of Biology, family, England Oxford University press 1996, 118

[8] خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور الفصیل ناشران وتاجران، س ن، ص 151

[9] مودودی، ابوالاعلیٰ، پردہ، لاہور اسلامک پبلیکیشنز، 2002ء ص92تا93

[10] اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، لاہور اسلامک پبلیکیشنز، س ن، ص63

[11] النساء 1:3

[12] طبری، ابی جعفر، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن، قاہرہ دار السلام 2008ء 565/3

[13] ابوالاعلی، مودودی، سید، تفہیم القرآن، لاہور ترجمان القرآن، 319/1

[14] ہود 14:40

[15] البقرہ 127:2

[16] خالد الرحمن، سیلم منصور خالد، عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ، اسلام آباد انسٹیٹیوٹ آف پالسی اسٹڈیز ص139

[17]Syed saeed Akhtar Razvi ‹the family life of Islam,world organization for Islamic services Tehran Iran, p11

[18] شاہ ولی اللہ، مترجم مولانا عبد الرحیم حجۃ اللہ البالغہ۔ لاہور الفیصل ناشران وتاجران 2007 ج1 ص178

[19] الأعراف 189:7

[20] جلال الدین عمری، "عورت اسلامی معاشرے میں"، نئی دہلی مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز 1993، صفحہ 12

[21] (البقرہ 35:2)

[22] (الروم 21:3)

[23]الاعراف:189)

[24]البقرہ:187:2)

[25]الفرقان:54

[26]النحل:72

[27]جامع الصحیح مسلم، کتاب زکوۃ، باب فضل نفقۃ علی عیال، حدیث992

[28] البقرۃ:228

[29]عابد گوندل، عورت کہانی، لاہور: نگارشات پبلیکیشنز، ص142

[30] Mary Wollstonecraft, A Vindication of the Rights of Woman: with Strictures on Political and Moral Subjects (London: J. Johnson, 1792

[31] Tong, Rosemarie. Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction. Boulder, CO: Westview2009, p 45.

32 Tong, Rosemarie. Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction p 68.

[33] Ibid P,160

[34] Ibid P,296

[35] lbid p190

[36] جانسن، **تحریکِ حقوقِ نسواں کی تاریخ**(لندن: ویمنز پریس، 2000)، ص122

[37] میکڈونلڈ، **دوسری لہر کی نسائیت**(نیویارک: فیمینسٹ پریس، 1995)، ص210

[38] بیلر، **تیسری لہر کی نسائیت**(لاس اینجلس: نسائیت پبلشرز، 2002)، ص175

[39] ڈگھس، **چوتھی لہر کی نسائیت**(پیرس: گلوبل فیمینزم پریس، 2015)، ص195

[40] United Nations. Convention on (CEDAW). Adopted December 18, 1979. Entered into force September 3, 1981

[41] United Nations. Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination Against Women (CEDAW). Adopted December 18, 1979. Entered into force September 3, 1981

[42]النساء:34

References

1. Wasiullah Khokhar, Jahangir Urdu Dictionary, Lahore Niaz Jahangir Printer, p. 428
2. Ibn Manzoor Afriqi (Lisaan Al Arab, Beirut Dar Haya Al-Turaht 1988, vol. 4, p. 238
3. Al-Masoo' Al-Fiqhiya, Ministry of Endowments and Islamic Affairs Kuwait. 1418 AH, 4/223
4. Muhammad Rawas Qilaji Mu'jam Laghash Al-Fiqha, Beirut, Lebanon Dar Al-Nafais Printing, Publishing and Distribution, Fardan Street. Banayat Al-Sabah, second edition, 1988, vol. 1/299)
5. Siddiqui, Dr. Muhammad Yasin Mazhar, Family System and Quranic Teachings, Collection of Articles, 2010, p. 21
6. Dictionary of social sciences, Family, England Oxford University, press, 2000, p 257
7. Oxford Dictionary of Biology, family, England Oxford University press 1996, 118
8. Khalid Alavi, Dr., The Social System of Islam, Lahore Al-Fasail Publishers and Traders, Sun, p. 151
9. Maududi, Abul-Ala, Purda, Lahore Islamic Papers, 2002, pp. 92-93

10. Islahi, Sadruddin, Islam at a Glance, Lahore Islamic Papers, Sun, p. 63
11. An-Nisa 3: 1
12. Tabari, Abi Jafar, Muhammad bin Jarir, Jamia al-Bayan fi Tawil al-Quran, Cairo Dar-ul-Islam 2008, 3/ 565
13. Abu al-Ala, Maududi, Syed, Tafheem al-Quran, Lahore Tarjuman al-Quran, 1/ 319
14. Hud 14:40
15. Baqarah 2: 127
16. Khalidur Rehman, Salim Mansoor Khalid, Women and Family and Our Society, Islamabad Institute of Policy Studies, p. 139
17. Syed saeed Akhtar Razvi, The Family Life of Islam, World Organization for Islamic Services Tehran Iran, p11
18. Shah Waliullah, Translator Maulana Abdul Rahim Hujjatullah Al-Balagha. Lior Al-Faisal Publishers and Traders 2007 Vol. 1, p. 178
19. Al-Araf 7: 189
20. Jalaluddin Umari, "Women in Islamic Society", New Delhi Central Islamic Publishers 1993, p. 12
21. (Al-Baqarah 2: 35)
22. (Al-Rum 3: 21)
23. Al-Araf: 189)
24. Al-Baqarah: 187:2)
25. Al-Furqan: 54
26. An-Nahl: 72
27. Jami' al-Sahih Muslim, Kitab Zakat, Bab Fadl Nafiqa 'ala Ayyal, Hadith 992
28. Al-Baqarah: 228
29. Abid Gondal, Aurat Kahani, Lahore: Nigarshat Publications, p. 142
30. Mary Wollstonecraft, A Vindication of the Rights of Woman: with Strictures on Political and Moral Subjects (London: J. Johnson, 1792
31. Tong, Rosemarie. Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction. Boulder, CO: Westview2009, p. 45.
32. Tong, Rosemarie. Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction p 68.
33. Ibid P,160
34. Ibid P,296
35. lbid p190
36. Johnson, History of the Feminist Movement (London: Women's Press, 2000), p 122
37. Macdonald, Second Wave Feminism (New York: Feminist Press, 1995), p 210
38. Baylor, Third Wave Feminism (Los Angeles: Feminist Publishers, 2002), p 175
39. Diggs, Fourth Wave Feminism (Paris: Global Feminism Press, 2015), p 195
40. United Nations. Convention on (CEDAW). Adopted December 18, 1979. Entered into force September 3, 1981
41. United Nations. Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination Against Women (CEDAW). Adopted December 18, 1979. Entered into force September 3, 1981
42. Al-Nisa: 34